دفتری اُردو

ڈاکٹر وحید قریشی

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۱۹۸۵ء

دفتری اُردو

طبع اوّل
سال اشاعت ۱۹۸۵ء
مطبع پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ۲۷۷ پشاور روڈ راولپنڈی
ناشر:
مقتدرہ قومی زبان مکان نمبر۱۰ گلی نمبر۳۲
ایف ۸/۱ اسلام آباد

دفتری اُردو

ڈاکٹر وحید قریشی

مقتدرہ قومی زبان ۔ اسلام آباد

۱۹۸۵ء

پاکستان میں اُردو کو قومی زبان قرار دینے کے بعد اس کی دفتری حیثیت کو متعین کرنا ضروری ہے۔ سرکاری زبان کے طور پر اب تک انگریزی رائج ہے۔ اس سے پہلے فارسی زبان کا دور دورہ تھا۔ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی ترویج کے بعد سماجی سطح پر کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سرکاری اور درباری زبان کے طور پر فارسی زبان کا چلن تھا۔ عربی کی مسلمہ دینی حیثیت کی بنا پر اس کی برتری مذہبی امور میں قائم تھی، لیکن اس زمانے تک عالمِ اسلام کی تہذیبی زبان کے طور پر فارسی نے اپنا سکہ جما لیا تھا۔ برصغیر میں جس آبادی نے سیاسی اقتدار حاصل کیا تھا وہ ایران اور ماوراء النہر سے آئی تھی، ایسے ہی فارسی کو تہذیبی تفوق حاصل ہوا۔ اس برتری نے آئندہ کئی صدیوں تک فارسی کی حیثیت کو مستحکم کر دیا۔ سلطانی دور کے بعد مغلیہ عہد میں بھی یہی روش قائم رہی۔ برطانوی اقتدار کے بعد فارسی کی جگہ انگریزی نے لینی شروع کر دی۔ ذریعہ تعلیم کی تبدیلی کے بعد یہ اور بھی ناگزیر ہو گیا۔ اوّل مستشرقین اور انگریزی نوازوں کے درمیان کھینچ تان رہی اور لارڈ میکالے کے ساتھیوں کی کامیابی کے بعد تو انگریزی کو تعلیمی اور دفتری زبان کے طور پر کُلی طور پر اختیار کر لیا گیا۔ نچلی سطح پر اوّل اردو استعمال میں آئی، لیکن اعلیٰ سطحوں پر انگریزی کا چلن رہا۔ بیسویں صدی میں انگریزی کی برتری پوری طرح قائم ہو گئی اور انتظامی امور میں بھی

انگریزی ہی کام آئی۔

برطانوی دور میں ہمارا نظامِ تعلیم ابتدا میں مستشرقین اور انگریزی پرست گروہوں کی کشمکش کا شکار رہا۔ مستشرقین کی اولین مساعی میں مقامی زبانوں کی حوصلہ افزائی کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، خاص طور پر اس میں اردو کو اہم مقام میسر تھا، چنانچہ ۱۸۴۹ء کے بعد حدودِ پنجاب کے ابتدائی مدارس میں اردو ہی کو بطورِ ذریعہ تعلیم اختیار کیا گیا۔ اعلیٰ سطح پر البتہ انگریزی کا غلبہ رہا۔ دفتری امور میں ابتداً اردو کو عدالتوں، پولیس اور دیگر محکموں میں نچلی سطح پر استعمال میں لایا گیا لیکن اوپر کے درجوں میں انگریزی ہی حاکموں کے کام آئی۔ مقامی باشندوں کو جب اعلیٰ مناصب پر فائز کیا جانے لگا تو اس وقت نظامِ تعلیم میں انگریزی کی اہمیت بڑھ چکی تھی، اس لیے ان کے لیے بھی حصولِ مناصب کی اہم شرط انگریزی زبان ہی قرار پائی۔ جب مستشرقین تعلیمی میدان میں شکست کھا گئے تو دفتری امور میں بھی انگریزی اعلیٰ و ادنیٰ دونوں درجوں میں اپنا قدم جمانے لگی۔ اس طرح اردو سمٹ سمٹا کر تعلیم کے ابتدائی درجوں تک محدود ہو گئی اور دفتری معاملات میں بھی اس نے انگریزی کے لیے بہت سے مدارج چھوڑ دیے۔

اردو کی دفتری حیثیت پر غور کیا جائے تو اس میں دو قسم کے مسائل اہم رہے ہیں۔ اول اصطلاحات، زبان کا مجموعی سانچا۔ ابتدائی برطانوی دور میں اردو زبان کے استعمال کے دو رجحان نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اصطلاحات کے ضمن میں مغلیہ دور کے رائج الوقت نظام کی باقیات کے ساتھ اصطلاحات بھی وہی متداول رہیں جو فارسی کا سرمایہ خاص تھیں یہ دفتری اصطلاحات فارسی اور عربی کا گہرا اثر لیے ہوئے ہیں اور ان کے دوش بدوش عربی فارسی الفاظ بھی اصطلاحی معنی اختیار کر چکے تھے۔ خود فارسی کی دفتری اصطلاحات میں مقامی الفاظ کا حصہ قابلِ شناخت ہے، لیکن مسلسل استعمال نے اصطلاحات کی غرابت کو ختم کر دیا تھا۔ قانونی اور دفتری اصطلاحات بول چال کی زبان کی سان پر چڑھ کر ہموار ہو

گئی تھیں، اسی لیے ازالۂ حیثیت عرفی، حق شفع، ایثار، قبض الوصول، ہنڈی، واجب الادا، ڈاک چوکی، چوکیدار، تھانہ، جیسے الفاظ آج بھی ہمارے لیے کسی اجنبیت کا احساس نہیں رکھتے اور برطانوی عہد میں دفتری نظام کے ابتدائی درجوں میں جاری و ساری تھے۔ لیکن انگریزی کی گرفت جیسے جیسے بڑھتی گئی انگریزی اصطلاحات بھی زیادہ ہوتی گئیں۔ آج اصطلاحات میں انگریزی الفاظ و تراکیب کی فراوانی بعض نئے نئے مسائل کا پیش خیمہ ہے۔ اردو کو دفتری زبان کے طور پر رائج کرنے میں دو قسم کے نقطہ ہائے نظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک خالص اردو کے حامیوں کا طبقہ ہے جو اصطلاحات میں انگریزی کی کسی قسم کی دخل اندازی کو بھی قومی غیرت کے لیے چیلنج سمجھتا ہے۔ ان کے نزدیک وضع اصطلاحات کے عمل میں بھی عربی اور فارسی کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اور انگریزی کے بدیسی الفاظ کو خارج کر کے متبادل اور مروج انگریزی اصطلاحات کی جگہ عربی فارسی سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ ان کی رائے میں اصطلاحات تو مشکل ہوتی ہیں، اس لیے عربی فارسی کی ثقیل تراکیب جب اصطلاح کے طور پر آئیں گی تو اوّل ان کا مشکل اور اجنبی ہونا ضرور ہے۔ اصولی طور پر یہ کچھ غلط بھی نہیں، لیکن اصطلاحات سازی کا عمل ایک سماجی عمل بھی ہے۔ اس لیے دوسرا گروہ اسے انتہا پسندانہ روش قرار دے تو یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں، مروج اصطلاح کو رد کر کے غیر مروج اصطلاح کی سفارش کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ دوسرے طبقے کی رائے یہ ہے کہ عربی فارسی سے اگر اردو کے لیے استفادہ ممکن ہے تو انگریزی کے وہ الفاظ خارج کیوں کیے جائیں جو اردو زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ اردو اپنے مزاج اور سانچے کے اعتبار سے دوسری زبانوں سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے۔

عربی فارسی کے ساتھ انگریزی کا اثر بھی اس پر ہوا۔ ان حالات میں قابلِ عمل صورت شاید یہی ہو گی کہ وہ قدیم عربی فارسی کی اصطلاحیں تو من و عن قبول کر لی جائیں جو برصغیر میں مدتوں سے رائج چلی آتی ہیں یا رائج رہ چکی ہیں۔ اس کے لیے مغلیہ نظام حکومت کا

مطالعہ مفید ہوگا۔ نفائس الفنون کے علاوہ الخوارزمی اور تھانوی کی کتابیں بھی مفید ہو سکتی ہیں، ساتھ ہی ان انگریزی اصطلاحات کو بھی جو مروج ہیں اور جنہیں عام طور پر بولا اور سمجھا جاتا ہے عملی حالت رہنے دیا جائے۔ باقی رہا نئی اصطلاحات وضع کرنے کا معاملہ۔ اس میں بھی متوازن راستہ قابلِ قبول ہوگا، اور اس کے لیے اردو زبان کے مزاج کو پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہے۔ پاکستان حیدرآباد دکن نہیں، یہاں کی سماجی زندگی اپنے خط و خال کے لحاظ سے جنوب سے مختلف ہے۔ اس لیے اصطلاحات سازی میں عربی فارسی کا انتہاپسندانہ استعمال وہ نتائج پیدا نہ کر سکے گا جس کی ہمیں تلاش و جستجو یا توقع ہے۔ حیدرآباد دکن میں اردو دفتری زبان کے طور پر مدتوں رائج رہی۔ اس سے فائدہ اٹھانے کا خیال اکثر اصحاب کو آتا ہے۔ استفادہ اچھی چیز ہے، لیکن اخذ و استفادہ میں زمانی عناصر کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں "رجسٹرار" کی جگہ "مسجل" نہیں چلے گا۔ یہاں انگریزی کا اثر دکن کے مقابلے میں زیادہ گہرا رہا ہے۔ اسی طرح عربی اور فارسی کے فاصلے بھی یہاں پر جنوب کے مقابلے میں زیادہ تھے۔ اس لیے وہ مشکل الفاظ و تراکیب تو زبانوں پر جلد چڑھ جائیں جن کا استعمال ابتدائی مراحل میں رہ چکا ہے، لیکن ان تراکیب کی مغائرت کو معاشرتی زندگی دور کر پائے گی جو مروجہ تراکیب و الفاظ کو ملک بدر کرنے کی مہم کا حصہ ہوں۔ افراد کو ملک بدر کرنا آسان ہے۔ الفاظ و تراکیب کو خارج کرنا مشکل ہے۔ اس سے جو کشمکش جنم لیتی ہے اس کے نتائج و عواقب کا احساس پوری طرح ہمارے خالص اردو کے حامیوں کو نہیں ہے۔ اردو کو انگریزی اثرات سے پاک کرنے کا عمل اخلاقی اور حب الوطنی کے لحاظ سے مستحسن ہی سہی۔ لسانی لحاظ سے انتہاپسندانہ ہی قرار پائے گا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصطلاحات میں اس ذہنیت سے کام نہیں چلے گا۔ اس کے لیے متوازن روش اختیار کرنا پڑے گی، جس میں ملک کے سیاسی اور سماجی حالات کو بھی مدِنظر رکھنا ضروری ہوگا بقول علامہ اقبالؒ سماجی زندگی میں نئے عناصر کا ادخال آہستہ روی اور میانہ روی ہی سے

ممکن ہے۔ سماجی ڈھانچے پر یک لخت حد سے زیادہ بوجھ ڈال دیا جائے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ٹوٹنے کا عمل سماجی لحاظ سے بہت خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ ایران میں فارسی شدہ (خالص فارسی) کی کوششیں ناکام رہیں کہ وہاں سماجی ڈھانچے پر بے انتہا زور ڈالا گیا۔ آخر یہ بھی کیا ضروری ہے کہ آپ ہر اصطلاح کا لفظی ترجمہ ہی کریں۔ فارسی میں "کوٹ" کی جگہ "کت" چلا ہے لیکن "پینٹ" نہیں چل سکی، وہاں تو پتلون کو "شلوار" ہی کہا گیا ہے، حالانکہ یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے کہ شلوار کے پائنچے اور پتلون کے پائنچے مختلف ہوتے ہیں، آپ پائنچے دیکھتے رہیے دنیا اس دوران بہت آگے نکل جائے گی۔

دفتری زبان کا دوسرا اہم پہلو زبان کا مزاج ہے، اردو زبان اب تک زیادہ تر ادبی طور پر برتی گئی ہے۔ اس لیے اس کا عمومی مزاج ادبی ہے۔ اس میں شعر و شاعری کا زیادہ زور ہے۔ اس لیے یہ ادبی زبان اپنے لب و لہجے اور عام چلن کے اعتبار سے جذباتی اور شاعرانہ رہی ہے۔ دوسری زبانوں پر غور کیجیے تو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ زبان کا رنگ و روغن اس کے محل استعمال سے متعین ہوتا ہے۔ ادبی زبان کاروباری زبان و علمی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ سماجی علوم میں استعمال ہونے والی انگریزی کا اسلوب ادبی انگریزی سے مختلف ہے۔ سائنسی علوم میں رائج انگریزی کا لب و لہجہ ادبی انگریزی سے مختلف ہے۔ اردو زبان کا ماضی ادبیات کا گہوارہ رہا ہے، شعر و ادب نے ہماری زبان کا اسلوب جذباتی اور شاعرانہ کر دیا ہے، یہ اردو نہ کاروبار میں چلے گی اور نہ سائنسی علوم میں، نہ معاشرتی معاملات میں، سائنسدان کی اردو کا لب و لہجہ ادبی اردو سے مختلف ہو گا۔ سماجی علوم پر لکھنے والے کی نثر نقاد کی نثر سے الگ ہو گی۔ بینک کلرک کی اردو ادیب کی کی اردو سے جداگانہ ہو جائے گی۔ دکاندار کا محاورہ اور روزمرہ بھی اس کی زبان کو ادبی سطح سے ممیز کر دے گا، لیکن ہم اردو ادب کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہر جگہ وہی شاعرانہ پیرایۂ اظہار اختیار کرتے ہیں جس کی ضرورت ان میدانوں میں نہیں ہے۔ ہم سب ایک

لاٹھی سے ہانکنے کے عادی ہیں اور یہ مسئلہ تنہا زبان کے مختلف استعمالات ہی کا نہیں ہے۔ اجارہ داریوں کا بھی ہے جو شخص جس حلقے سے تعلق رکھتا ہے وہاں تو اس کی رائے چلے گی اُردو کے سائنسی اسلوب کی وضع قطع تو سائنسدان ہی متعین کرے گا، کاروباری زبان کا لب و لہجہ کاروباری حلقے بنائیں گے، دفتری زبان کا مزاج اہلِ دفتر کا حصہ ہے۔ ادیب کو ہر پھٹے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ دفتری زبان کا مزاج دفتری افراد کی صواب دید سے متعین ہو سکتا ہے اور اس بارے میں زبان کے ادبی سانچوں سے کام تو لیا جا سکتا ہے لیکن انہیں پورے کا پورا اختیار نہ دیا جا سکے گا۔ دفاتر میں اُردو کو رائج کرنے کے لیے ہر اہلِ دفتر کی رضامندی ضروری ہے اور وہی اپنے دائرہ کار میں زبان کے دفتری استعمال کو شخص و متعین کر سکتے ہیں۔ اب تک دفتری اُردو کے ٹلتے رہنے کے کئی اسباب ہیں، جن میں ایک سبب تو یہی ہے کہ ادیبوں نے ہمیشہ من مانی کی ہے، خود دفتر والوں کو ہی اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ نہ وضع اصطلاحات میں، نہ مراسلوں کے ترجمے میں، نہ لسانی تشکیلات کے نظام میں، دوسرے اعلیٰ سطحوں پر ہمارے اکثر افسر طبقہ امراء سے آتے رہے ہیں، جن کی تربیت قومی مدرسوں اور کالجوں میں نہیں ہوتی بلکہ انگریزی اسکولوں اور کنونٹس یا بیرونِ ملک دانش گاہوں میں ہوئی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ ہماری بدنصیبی رہی ہے کہ نظامِ تعلیم دولخت رہا، ایک طرف تو دینی مدارس کا نظام ہے، جس کا جدید علوم اور جدید مسائل سے علاقہ نہیں، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس کا اپنے ماضی سے کوئی رشتہ نہیں۔ یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ لوگ جو دیسی مدارس کے تربیت یافتہ ہیں، اور دوسرے وہ جو خاص انگلش میڈیم اسکولوں کے ساختہ و پرداختہ ہیں۔ ان میں پہلا طبقہ نچلے درجوں میں اور دوسرا اوپر کے درجوں پر فائز ہے۔ دفتری نظام میں صاحبِ اختیار وہ نئی نسل ہے جس کا ذہنی اور حسیاتی رشتہ انگریزی کے ساتھ ہے۔ ایسے میں اپنی زبان کے بارے میں احساسِ کمتری ناگزیر ہے نیز ہر نئے تجربے میں ایک ہچکچاہٹ کا مرحلہ بھی آتا ہے اور پھر یہ احساس

ہے کہ میرا ماتحت مجھ سے زیادہ اچھی اُردو جانتا ہے، حالانکہ غیر زبان میں دسترس کا وہم ہی وہم ہوتا ہے۔ آپ چاہے کسی زبان میں کتنی مہارت پیدا کر لیجئے اہلِ زبان کی سی قدرت بہرحال ممکن نہیں۔ بہرحال اس نئی پود کو اعتماد میں لینا ضروری ہے کیونکہ اس پہیئے کے بغیر اُردو کی گاڑی دفاتر میں نہیں چل سکے گی۔ یہ خوش آئند بات ہے۔ موجودہ حکومت نے اُردو زبان کے لیے جو اتھارٹی قائم کی ہے اس میں دفتری امور کے ماہرین کو بھی ایک بڑی تعداد میں شریک کیا ہے۔ اس سے طبقاتی مغائرت کم ہو گی اور اُردو کو دفتری زبان کے طور پر رائج کرنے میں افہام و تفہیم کے مراحل خوش اسلوبی سے طے ہو سکیں گے۔

◇◇◇◇◇◇◇

پمفلٹ ۱۷